# 21

# بچوں کے اخلاق کس طرح درست ہو سکتے ہیں

(فرمودہ ۵ جون ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں بتایا تھا کہ بچوں کے اخلاق کی درستی کے لئے صحیح تربیت کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ تربیت کا بہترین موقع بچپن کا زمانہ ہے کیونکہ جس قسم کی تربیت طبعاً" بچپن کی عمر میں ہو سکتی ہے۔ وہ بڑے ہو کر بڑی عمر میں نہیں ہو سکتی۔ مگر میں نے ساتھ ہی یہ بھی بتایا تھا کہ خواہ ماں باپ کتنی بھی کوشش کریں کہ ان کا بچہ بد اخلاقیوں کے بد اثر سے محفوظ رہے۔ جب تک بچے کی صحبت اور مجلس نیک نہ ہو گی۔ اس وقت تک ماں باپ کی کوشش بچوں کے اخلاق درست کرنے میں کارگر اور مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔ بیشک ایک حد تک ان کی اچھی تربیت سے بچوں میں نیک خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اگر بچے کی عمدہ تربیت کے ساتھ اس کی صحبت بھی اچھی نہ ہو تو بد صحبت کا اثر تربیت کے اثر کو اتنا کمزور کر دیتا ہے کہ اس تربیت کا ہونا نہ ہونا قریباً مساوی ہو جاتا ہے۔ بچپن کی بد صحبت ایسی بد عادات بچے کے اندر پیدا کر دیتی ہے کہ آئندہ عمر میں ان کا ازالہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسے آدمی کے قلب میں دو متضاد کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف تو ماں باپ کی نیک تربیت اس کو نیکی طرف کھینچتی ہے اور دوسری طرف بد صحبت بدی کا میلان اس کے اندر پیدا کرتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور نفس لوّامہ کے اثر سے اس کو کبھی آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ ماں باپ کی تربیت اگر خشیت اللہ اس کے اندر پیدا کرتی ہے تو بد صحبت اس کے مقابلہ میں اس کی ہمت اور حوصلے کو پست کر دیتی ہے۔ پس کامل تربیت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب اچھی تربیت کے ساتھ صحبت بھی اچھی ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا تھا۔ بچوں کو کسی سے نہ ملنے دینا اور انہیں قید رکھنا بھی کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس طرح جہاں

اس کی تربیت نامکمل رہتی ہے۔ وہاں اس کے اعضاء کا نشوونما بھی اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ وہ بچہ جسے بدی کے اثر سے بچانے کے لئے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ ایک طرف تو اس کی صحت خراب رہتی ہے۔ اور اس کے اعضاء پوری طرح نشوونما حاصل نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف ایسے بچے ساری عمر بچے ہی رہتے ہیں۔ خواہ ان کی عمر چالیس پچاس سال کی ہی ہو جائے کیونکہ وہ اس وقت تک بدی سے بچے رہ سکتے ہیں جب تک کہ بدی ان کے سامنے پیش نہیں ہوتی۔ لیکن جب بھی بدی ان کے سامنے پیش ہو وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جھٹ اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں پس بچوں کو دوسرے بچوں سے نہ ملنے دینے اور علیحدہ قید رکھنے سے ہم ان کو بدی کے اثرات سے محفوظ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس طرح اور بھی زیادہ ان کو بدیوں کے اثرات کو جلد تر قبول کرنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سے طریق ہیں جن سے بچوں کی تربیت عمدگی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔

پہلی صورت جس سے ہم بچوں کے اخلاق درست بنا سکتے ہیں۔ یہ ہے کہ تربیت صحیح اور پھر صحبت نیک ہو۔ پچھلے خطبہ میں اس کے متعلق میں نے بعض باتیں بیان بھی کی تھیں کہ کس طرح ہم بچوں کی اچھی تربیت کر سکتے ہیں اور کس طرح ہم ان کو بدیوں کے بد اثرات سے روک سکتے ہیں۔ مگر وہ جو کچھ میں نے بیان کیا تھا اجمالاً" تھا۔ آج میں اس کے متعلق تفصیلاً" بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات جو بچے کی تربیت کے واسطے ماں باپ کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بچے کے ذہن میں کسی بدی کی نسبت یہ خیال نہ پیدا ہونے دیں کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں تا وہ اس بدی کو حقیر نہ سمجھنے لگ جائے۔ بہت سے ماں باپ ہیں جو دل سے چاہتے ہیں کہ بدی کا اثر ان کے بچوں پر نہ ہو لیکن وہ اپنا نمونہ ایسا ان کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بچوں کی نگاہ میں وہ بدی حقیر ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بدی کا خیال ان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً عام طور پر ماں باپ یہ چاہتے ہیں کہ بچہ جھوٹ نہ بولے۔ لیکن خود اس کے سامنے جھوٹ بول لیتے ہیں۔ بعض اوقات ایک کام سے جو انہوں نے کیا ہوتا ہے مگر بچے سے اس کو چھپانے کے لئے۔ کیونکہ اس کا چھپانا بچے کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ وہ انکار کر دیتے ہیں۔ یا اگر بالکل صاف انکار نہیں کرتے تو ٹال مٹول اور ہیر پھیر کرنے لگ جاتے ہیں تا بچے کا خیال اس کی طرف سے بدل جائے لیکن بچے کا ذہن خدا نے ایسا بنایا ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہوشیار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ترقی کر رہا ہوتا ہے۔ اور اپنا

علم بڑھا رہا ہوتا ہے اس لئے وہ ہر بات کی زیادہ چھان بین اور جستجو کرتا ہے۔ اور بات کو فوراً تاڑ جاتا ہے۔ ماں باپ تو یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اس کی خیر خواہی کر رہے ہیں کہ اس سے اس بات کو چھپا رہے ہیں۔ اگر نہ چھپائیں تو اس کو نقصان ہو گا۔ لیکن ان کی اس روش سے وہ یہ سبق حاصل کر رہا ہوتا ہے کہ ایک کام کر کے پھر اس سے انکار بھی کیا جا سکتا ہے یا اس کو ادھر ادھر کی باتوں سے چھپایا بھی جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ خوب سمجھتا ہے کہ ماں باپ نے ایسا کام کیا تو ضرور ہے مگر اب وہ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔

بچوں کے متعلق یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ کسی بات کو تاڑ نہیں سکتے یا کوئی بات ان کے ذہن سے اتاری جا سکتی ہے۔ وہ جس طرح جھٹ کسی بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اسی طرح ہر بات جو ان کے سامنے کی جائے اسے سمجھ جاتے ہیں۔ میں نے ایک تماشہ گر کی کتاب پڑھی ہے جو کہ بہت بڑے تماشا گروں میں سے ہے۔ وہ خود تماشے کرتا اور بڑے بڑے تماشوں کا موجد ہے وہ اپنی کتاب میں اپنے تجربہ کی بناء پر لکھتا ہے۔ میں نے اپنے کام میں سب سے زیادہ خطرناک بچوں کو پایا ہے۔ بڑے بڑے پروفیسروں، سائنس دانوں اور عقل مندوں کے سامنے میں نے تماشے کئے ہیں۔ مگر مجھے کبھی ذرا گھبراہٹ نہیں پیدا ہوتی۔ لیکن میں بچوں کے سامنے تماشہ کرنے سے ہمیشہ گھبراتا ہوں کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بچوں نے میری چوری پکڑ لی ہے اور اس وجہ سے مجھے اپنے تماشہ میں ناکام ہونا پڑا ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ لکھتا ہے کہ بچہ چونکہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اس نے اپنے دل میں کوئی رائے نہیں قائم کی ہوتی۔ وہ اس عمر میں سیکھ رہا ہوتا ہے اور اپنے علم کو کامل کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی نگاہ معمولی معمولی باتوں پر بھی پڑتی ہے جس سے راز افشاء ہو جاتا ہے۔ لیکن بڑے آدمی جو تماشہ کو دیکھتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں چھوٹی چھوٹی باتیں ہم سیکھ چکے ہیں ان کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں اس لئے ان کا ذہن بڑی بڑی باتوں کی طرف جاتا ہے اور ہمارا کھیل ان کے سامنے بہت کامیاب ہوتا ہے۔ بچے نے چونکہ یہ رائے نہیں قائم کی ہوتی وہ بہت سادگی سے ہماری معمولی معمولی حرکات پر غور کرتا ہے اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ بچوں نے ہمارا کھیل خراب کر دیا۔ پھر وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سب سے بڑا اور ہوشیار اور تجربہ کار تماشا کرنے والا میں اس کو قرار دوں گا جس کا بھید بچے دریافت نہ کر سکیں۔ غرض بچوں کے ذہن نہایت ہی حساس ہوتے ہیں اور ان سے کوئی چیز چھپانی بہت مشکل ہوتی ہے۔ جن حالات اور جن وجوہات کی بناء پر ماں باپ بچے سے کوئی چیز چھپا رہے ہوتے ہیں وہ اپنے دل میں خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ اس طرح ہم نے بچے سے

اس چیز کو چھپا لیا ورنہ بچے کو اس سے نقصان پہنچتا۔ مگر وہ ایک نقصان سے بچا کر بچہ کو دوسرا نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ خواہ والدین کے نزدیک حالات کچھ ہی ہوں۔ چونکہ بچے کی نگاہ ان حالات پر نہیں پڑتی اس لئے وہ ماں باپ کی اس کارروائی سے یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ کسی چیز کے چھپانے کے لئے اس طرح جھوٹ بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ جس وقت ماں باپ ایک کام کر کے بچے کے سامنے اس سے انکار کرتے یا ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کو چھپانا چاہتے ہیں۔ تو وہ خوب سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اور چونکہ بچہ حساس اور ذکی ہوتا ہے اور وہ ماں باپ کا ایک اعلیٰ درجہ کا شاگرد ہوتا ہے۔ اس لئے وہ یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ کسی وقت اگر ضرورت پیش آئے اور وہ بھی ایک چیز کے چھپانے کے لئے اپنا طریق بدل ڈالے تو حرج نہیں۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے میرے ماں باپ ایسا ہی کرتے ہیں۔

پس پہلی غلطی اولاد کی تربیت میں جو والدین سے سرزد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ گو وہ دل سے چاہتے ہیں کہ اپنے بچوں کو نقص اور عیب سے بچائیں۔ مگر خود پوری پوری احتیاط نہیں کرتے اور اپنا نمونہ اور عمل ان کے سامنے اچھا پیش نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے وہ خود ہی بچوں کو جھوٹ سکھانے کے موجب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ والدین کوئی چیز گھر میں لاتے ہیں۔ بچہ بیمار ہوتا ہے اس کو کھلانے میں نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے جب وہ مانگتا ہے تو کہہ دیتے ہیں وہ چیز تو گھر میں آئی ہی نہیں۔ حالانکہ بچے کو اس کی خبر ہو چکی ہوتی ہے۔ گو وہ اپنے ذہن میں سمجھ لیں کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا کیونکہ بچہ کا فائدہ کر رہے ہیں۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں اور وہ درپردہ بچے کو جھوٹ کی تعلیم دے رہے ہوتے ہیں۔ یا پھر بعض دفعہ وہ انکار تو نہیں کرتے مگر یہ کہہ دیتے ہیں ہم نے وہ چیز کھا لی ہے۔ حالانکہ بچہ خوب جانتا ہے کہ انہوں نے ابھی کھائی نہیں۔ یا کہہ دیتے ہیں وہ چیز تو کوئی اٹھا لے گیا یا ضائع ہو گئی۔ حالانکہ بچہ جانتا ہے کہ نہ کوئی اٹھا لے گیا اور نہ وہ ضائع ہوئی وہ چیز واقع میں آئی اور والدین نے اس سے چھپ کر کھائی۔ جسے اس نے چلمن کے پیچھے سے دیکھا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ماں باپ سے جھوٹ بولنے کا سبق سیکھتا ہے اور اس کے دل میں اس عیب کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اور جھوٹ بولنے لگ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خواہ زبانی میرے ماں باپ مجھے منع کرتے ہیں مگر موقع پر وہ خود بھی جھوٹ بول لیتے ہیں اس لئے یہ کوئی بری بات نہیں۔

اس طرح ایک اور عیب چوری ہے۔ میرے نزدیک چوری جھوٹ سے بھی زیادہ

دیانتداری کے ساتھ ماں باپ بچوں کو سکھاتے ہیں اور گویا خصوصیت سے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً بعض دفعہ ماں باپ ایک چیز بچے کو نہیں دینا چاہتے۔ لیکن اس کے اصرار کی وجہ سے اس کو دے دیتے ہیں اور پھر نظر بچا کر وہ چیز اس سے چھپا لیتے ہیں۔ بے شک ان کا یہ فعل اخلاقاً چوری نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی چیز ہے جسے وہ بچہ کو نہیں دینا چاہتے اور نظر بچا کر اٹھا لیتے ہیں۔ مگر اس سے بچوں کے اندر اس بات کی حس پیدا ہو جاتی ہے کہ ایسا بھی کیا جا سکتا ہے اور پھر وہ بھی یہ کوشش کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم بھی چیزیں چھپائیں۔ تو ماں باپ کی اس روش کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جھوٹ سے بڑھ کر نہایت آسانی سے چوری کی عادت بچہ ان سے سیکھ لیتا ہے۔ الغرض پہلا طریق جو بچوں کی تربیت کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ماں باپ ایسا طریق اختیار نہ کریں اور اپنے افعال کو ایسے رنگ میں بچے کے سامنے پیش نہ کریں کہ جس سے بچے کے ذہن میں بد افعال کی طرف توجہ پیدا ہو۔

دوسرا نقص بچوں کی تربیت میں میں نے دیکھا ہے۔ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ماں باپ غریب ہوتے ہیں یا امیر ان دونوں صورتوں میں بچوں میں دو نقص پیدا ہو جاتے ہیں جو میں آگے بیان کروں گا۔ غریبوں کے اندر غربت کی وجہ سے بعض نقائص پیدا ہو جاتے ہیں اور امیروں کی اولاد میں آسودگی اور وسعت مال کی وجہ سے بعض نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض امیروں کو میں نے دیکھا ہے بچوں کو اتنا جیب خرچ دے دیتے ہیں ۔ جس سے ان کی عادات اور اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور ان میں آوارگی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بچے کی وقتی ضرورت سے زیادہ جیب خرچ کا اس کے پاس جمع ہونا تمام بد صحبتوں اور بد اخلاقیوں کا منبع ہے۔ کیونکہ وہ بچے جن کے اخلاق خراب ہو چکے ہوتے ہیں جب ان کے ہاتھ اپنا کوئی پیسہ نہیں ہوتا جس سے وہ اپنی آوارگی کی عادات کو پورا کر سکیں تو وہ پھر امیر لڑکوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور ان سے تعلق پیدا کر کے جہاں وہ اپنی بد عادات کو ان کے پیسوں کے ذریعہ پورا کرتے ہیں وہاں ان امیر لڑکوں کے اخلاق اور عادات کو بھی بگاڑ دیتے ہیں۔

اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ بچہ کے ہاتھ میں پیسہ بالکل دیا ہی نہ جائے کیونکہ بچوں کو ان کی ضرورت کے مطابق دینا بھی ضروری ہے تاکہ اس سے ان کے اندر خرید و فروخت کا ملکہ پیدا ہو ۔ لیکن اتنا خرچ ان کو نہیں دینا چاہیے جسے وہ اپنے پاس جمع رکھ سکیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں شریر اور آوارہ لڑکے ان کے پاس جمع ہو کر ان کے اخلاق کو خراب کر دیتے اور ان کو بھی آوارہ بنا دیتے ہیں۔ چونکہ غریب لڑکوں کے گرد جمع ہونے سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے جن

لڑکوں کو بری عادتیں پڑ جاتی ہیں وہ امیر لڑکوں کو تاڑتے رہتے ہیں۔ اور آوارہ گرد لڑکے اپنی بد عادات کے پورا کرنے کے لئے امیروں کے لڑکوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔

مجھے نہایت حیرت ہوئی اپنے ایک عزیز دوست پر کہ وہ اپنے بچے کو پچاس روپیہ ماہوار صرف جیب خرچ دیتے تھے اور ابھی کہتے تھے میں نے اس کا جیب خرچ آگے سے کم کر دیا ہے۔ میں اس لئے اسے اتنا جیب خرچ دیتا ہوں کہ تا قادیان میں اس کا دل لگا رہے وہ ایک مخلص شخص ہے اور ان کا لڑکا بھی گو ابھی بچہ ہے لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں مخلص ہے۔ مگر یہ طریق بچے کے اخلاق کو سخت بگاڑنے والا ہے۔ بچے کو اس کا جیب خرچ روزانہ اتنا دینا چاہیے جس سے اس کی اس وقت کی ضرورت پوری ہو جائے۔ پھر ماں باپ کو یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ جس ضرورت کے لئے اس نے پیسے لئے ہیں۔ اس پر اس نے خرچ بھی کئے ہیں یا نہیں۔ پہلے اس سے دریافت کر لینا چاہیے کہ کس ضرورت کے لئے وہ پیسے لیتا ہے۔ مثلاً وہ خربوزے لینا چاہتا ہے۔ یا آم خریدنا چاہتا ہے یا کیا اور پھر اس بات کی تحقیق کر لینی چاہیے کہ بتائی ہوئی ضرورت کے مطابق اس نے چیز لی بھی ہے یا نہیں۔ اگر اس طرح نگرانی کی جائے۔ تو بچے آوارگی سے بچ جائیں گے اور ان کے پاس آوارہ اور بد عادات کے لڑکے جمع نہ ہو سکیں گے۔

دوسرا نقص بچوں کے اخلاق کو بگاڑنے والا غربت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ایسے ماں باپ بعض دفعہ خود حریص ہوتے ہیں۔ وہ کوئی چیز لاتے ہیں تو خود کھا لیتے ہیں۔ اور بچہ کو نہیں دیتے اس لئے بچہ گھر سے چوری چیز نکال کر کھانے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ باہر کی بھی چوری کرنے لگ جاتا ہے۔ اس طرح اس کے اخلاق خراب ہو جاتے اور وہ آوارہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ماں باپ کو چاہیے کہ اگر کوئی چیز گھر میں آئے تو پہلے بچوں کو دیں پھر آپ کھائیں۔

دوسرا نقص جو اس غربت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ بعض ماں باپ ایسا تو نہیں کرتے کہ چیز خود کھا لیں اور بچے کہ نہ دیں لیکن جب بچے کے دل میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ خود نہیں خرید سکتے تو وہ دوسروں سے مانگ کر کہ ہمارے بچے کا بھی دل کر رہا ہے اس طرح وہ دے دیتے ہیں۔ مگر اس طریق سے بجائے اس کے کہ بچے کی خواہشات کو ماریں اور بھی اس کی خواہشات کو ابھارتے ہیں۔ حالانکہ اگر بچے کو سمجھایا جائے کہ بچہ ہم غریب ہیں ہم یہ چیز نہیں خرید سکتے تو بچے جیسا صابر بھی کوئی نہیں۔ وہ اتنا کہہ دینے سے بھی خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اپنے

پاس کچھ نہیں اور بچے کی خواہش کو دوسرے سے چیز لے کر پوری کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بچے کے اندر صبر اور قناعت کا مادہ نہیں پیدا ہو گا اور اس کی حرص بہت بڑھ جائے گی۔

پس غرباء کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی خواہشات کو ابھاریں نہیں۔ بلکہ ان کو مارنے کی کوشش کریں تا ان کے اندر صبر اور قناعت کا مادہ پیدا ہو۔ پھر ایسے مقامات پر بچے کو کھڑا نہیں رہنے دینا چاہیے جہاں امراء اچھی اچھی چیزیں کھا رہے ہوں۔ بچوں کو ہی ایسے مقامات پر کھڑا ہونے سے نہیں روکنا چاہیے۔ بلکہ بڑوں کو بھی یہی حکم ہے۔ لا تمدن عینیک الی ما متعنا (الحجر ۸۹) کہ جو چیز تمہارے پاس نہیں۔ اگر وہ دوسروں کے پاس ہے تو اس کو دیکھنا بھی گناہ ہے کیونکہ اس سے خواہش بد پیدا ہو گی۔ بعض غریب آدمی اپنے بچوں کو ایسے مقامات پر جہاں امراء لوگ کھاتے پیتے ہوں۔ کھڑے ہونے اور دیکھنے سے نہیں روکتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی ان کے اندر حرص پیدا ہوتی ہے اور جب ان کی حرص پوری نہیں ہوتی تو پھر کسی نہ کسی طرح اس چیز کے حاصل کرنے کی بے جا کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے ماں باپ کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ بچوں کو ایسی جگہوں سے روکیں اور وہاں ان کو کھڑا نہ ہونے دیویں کہ ایسی حالت میں کسی کو کچھ کھاتے دیکھنا بھی عیب ہے۔ جس سے لالچ اور حرص پیدا ہوتی ہے۔ جو بچوں کی آوارگی کا موجب ہوتی ہے۔ غرض والدین اپنے بچوں کی تربیت کے لئے اگر ان باتوں کی احتیاط رکھیں تو ان کے اخلاق کی درستی میں بہت کچھ تقویت پیدا ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بچوں کے اخلاق اور عادات کی درستی اور اصلاح کے لئے میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری امر نماز باجماعت ہے۔ بچوں کو نماز با جماعت ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ میری عمر زیادہ نہیں لیکن مجھے اتنے لوگوں سے ملنے اور جانچ اور پڑتال کا موقع ملا ہے اور ساتھ ہی میری طبیعت کو خدا تعالیٰ نے ایسا حساس بنایا ہے کہ سو سال کی عمر والے بھی اپنی عمر کے تجربوں کے بعد دنیا کی اونچ نیچ اور اچھے برے کو اتنا محسوس نہیں کر سکتے جتنا میں محسوس کرتا ہوں۔ میں نے اپنے تجربے میں نماز با جماعت سے بڑھ کر کوئی چیز نیکی کے لئے ایسی مؤثر نہیں دیکھی۔ سب سے بڑھ کر نیکی کا اثر کرنے والی نماز با جماعت ہی ہے۔ اگر میں ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر (العنکبوت ۴۶) کی پوری پوری تشریح نہ کر سکوں۔ تو میں اپنی زبان کا قصور سمجھوں گا۔ ورنہ میرے نزدیک نماز با جماعت کا پابند انسان خواہ وہ اپنی بدیوں میں ترقی کرتے کرتے ابلیس سے بھی آگے نکل جائے پھر بھی میرے نزدیک اس کی اصلاح کا موقع ہاتھ سے نہیں

گیا۔ ایک شمہ بھر اور ایک رائی کے برابر بھی میرے خیال میں نہیں آتا کہ کوئی شخص نماز با جماعت کا پابند ہو اور پھر اس کی اصلاح کا کوئی موقع نہ رہے۔ خواہ وہ کتنا ہی بدیوں میں مبتلا کیوں نہ ہو گیا ہو نیکی کے متعلق نماز کے مؤثر ہونے کا مجھے اتنا کامل یقین ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بھی کہہ سکتا ہوں کہ نماز با جماعت کا پابند خواہ کتنا ہی بد اعمال کیوں نہ ہو گیا ہو۔ اس کی ضرور اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ ضائع نہیں ہوتا۔ اور میں شرح صدر سے کہہ سکتا ہوں کہ آخری وقت تک اس کے لئے اصلاح کا موقع ہے۔ مگر وہ نماز با جماعت کا پابند اس رنگ میں ہو کہ اس کو اس میں لذت اور سرور حاصل ہو۔

میرے نزدیک ان ماں باپ سے بڑھ کر اولاد کا کوئی دشمن نہیں جو بچوں کو نماز با جماعت ادا کرنے کی عادت نہیں ڈالتے۔

مجھے اپنا ایک واقعہ یاد ہے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب کچھ بیمار تھے۔ اس لئے جمعہ کے لئے مسجد میں نہ جا سکے۔ میں اس وقت بالغ نہیں تھا کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں۔ تاہم میں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد کو آرہا تھا کہ ایک شخص مجھے ملا۔ اس وقت کی عمر کے لحاظ سے تو شکل اس وقت تک یاد نہیں رہ سکتی۔ مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ اب تک مجھے اس شخص کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش ان کا نام ہے۔ وہ اب قادیان میں ہی رہتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا آپ واپس آرہے ہیں۔ کیا نماز ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا آدمی بہت ہیں مسجد میں جگہ نہیں تھی میں واپس آگیا۔ میں بھی یہ جواب سن کر واپس آگیا اور گھر میں آکر نماز پڑھ لی۔ حضرت صاحب نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا مسجد میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں بچپن سے ہی حضرت صاحب کا ادب ان کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ میں نے دیکھا آپ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں میں نے کہا کہ میں گیا تو تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آگیا۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن اب جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبدالکریم صاحب آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ سے دریافت کی وہ یہ تھی۔ کیا آج لوگ مسجد میں زیادہ تھے۔ اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ کیونکہ میں خود تو مسجد میں گیا نہیں تھا۔ معلوم نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا مجھے اس کی بات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ان کی بات سے یہ سمجھا تھا کہ مسجد میں جگہ نہیں۔ مجھے فکر یہ ہوئی کہ اگر مجھے

غلط فہمی ہوئی ہے یا بتانے والے کو ہوئی ہے دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئے گا۔ کہ میں نے جھوٹ بولا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے جواب دیا ہاں حضور آج واقعہ میں بہت لوگ تھے میں اب بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ خدا نے میری بریت کے لئے یہ سامان کر دیا کہ مولوی صاحب کی زبان سے بھی اس کی تصدیق کرا دی۔ یا فی الواقع اس دن غیر معمولی طور پر زیادہ لوگ آئے تھے۔ بہرحال یہ ایک واقعہ ہوا ہے جس کا آج تک میرے قلب پر ایک گہرا اثر ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو نماز باجماعت کا کتنا خیال رہتا تھا۔

بڑا آدمی اگر خود نماز باجماعت نہیں پڑھتا تو وہ منافق ہے۔ مگر وہ لوگ جو اپنے بچوں کو نماز یا جماعت ادا کرنے کی عادت نہیں ڈالتے وہ ان کے خونی اور قاتل ہیں۔ اگر ماں باپ بچوں کو نماز با جماعت کی عادت ڈالیں۔ تو کبھی ان پر ایسا وقت نہیں آسکتا کہ یہ کہا جا سکے کہ ان کی اصلاح ناممکن ہے اور وہ قابل علاج نہیں رہے۔

دوسری بات جو ان کی تربیت میں نقص ڈالنے والی ہے وہ یہ ہے کہ بے جا محبت کی وجہ سے بچوں کے بے جا آرام و آسائش کا خیال رکھا جاتا ہے اور ان کو سختی اور مشقت کی عادت نہیں ڈالی جاتی۔ جب بچے کھیلنے کودنے کے لئے سخت گرمی اور دھوپ میں ننگے سر ننگے پاؤں نکل جاتے ہیں۔ یا سردی میں پھرتے رہتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ نماز با جماعت پڑھانا ان پر سختی اور مشقت تصور کی جائے۔ اگر اپنی ضرورتوں کے لئے وہ نہ گرمی کی پرواہ کرتے ہیں نہ سردی کی اور اس میں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں کرتے تو نماز با جماعت میں ان کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔ غرض بچوں میں برداشت اور جفا کشی کی عادت پیدا کرنی چاہیے۔

آج کل بہت سے اس قسم کے سامان پیدا ہو گئے ہیں جو بچوں میں محنت اور جفا کشی کی روح کو فنا کرنے والے ہیں۔ اور عام طور پر سکولوں میں ایسے ناز و نخرے کے سامانوں کا رواج پایا جاتا ہے۔ مثلاً سر کے اگلے حصہ میں خاص صورت کے لمبے بال رکھنا۔ اس قسم کے ناز و نخروں کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہمیں خوبصورت سمجھا جائے۔ ہم سے لوگ پیار کریں۔ یہ بالکل زنانہ خصلتیں ہیں اور میں نے دیکھا ہے ہمیشہ ایسے لڑکوں کی چال، ان کا لب و لہجہ، ان کی گفتگو بالکل زنانہ طرز پر ہوتی ہے۔ پس کھانے پینے میں۔ لباس میں۔ بچوں کو ناز و نخرے میں نہ ڈالنا چاہیے۔

میرے نزدیک بچوں کے لئے گوشت کھانے کی کثرت بھی ان کے عدم استقلال کا موجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کی ہڈیاں ابھی کمزور ہی ہوتی ہیں کہ ضرورت سے پہلے ان کے اعضاء تناسل

اور قوائے شہوانیہ جوش میں آجاتے ہیں۔ اس لئے بچوں کے واسطے سبزیاں اور ترکاریاں زیادہ مفید ہوتی ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ بچوں کو گوشت بالکل ہی نہ دیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کثرت ان کے حق میں مضر ہے الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ بعض بچے جن کی چھاتی کمزور ہوتی ہے۔ ان کے لئے یا جن کے متعلق ڈاکٹری مشورہ ہو۔ ان کو گوشت کھلانا ضروری ہوتا ہے۔ مگر عام حالتوں میں بچوں کے لئے سبزی ہی زیادہ مفید ہوتی ہے۔

یہ بچوں کی تربیت کے ذرائع ہیں۔ جو میں نے اس وقت بیان کئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں میں نے آج ان کے بیان کرنے میں کافی وقت لے لیا ہے۔

(الفضل ۱۸ جون ۱۹۲۵ء